قید و بند میں تصنیف و تالیف کی مصروفیت

محمود خارانی

آج کل مسلمانوں کی علمی دنیا میں جو زبوں حالی اور علم و تحقیق کے میدان میں عزم و ہمت کا جو فقدان ہے، اس کو دیکھتے ہوئے بقول کسے: ''مشکل سے باور آسکتا ہے کہ کبھی ہم میں بھی ایسے لوگ تھے جو علم کی دھن میں برِ اعظم اور سمندر کاٹے کرنا، ایک ایک کتاب کی خاطر صدہا میل پیادہ پا چلنا، صرف نباتات کے حالات کی تحقیق کرنے کے لئے ملکوں ملکوں پھرنا، مطالعہ کے شغف میں پوری پوری رات کھڑے ہوکر گزار دینا، علمی پختگی کی خاطر مختلف مشائخ اور اساتذہ کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کرنا ایک بات سمجھتے تھے۔'' (حالات مصنفین: ص/۲۱)

تاریخ اسلام میں تصنیفی میدان کا وہ دلکش منظر بڑا قابل دید ہے کہ جب کوئی کاغذ پر لکھ رہا ہے تو کوئی چمڑے پر، کوئی قلم سے تصنیف میں مشغول ہے تو کوئی کوئلہ کے ذریعہ، کوئی آرام دہ کمرے میں بیٹھ کر تالیفی خدمات انجام دے رہا ہے، تو کوئی قید و بند کی تاریکیوں میں...... الغرض اسلافِ امت نے ہر قسم کے نامساعد حالات میں علوم دینیہ اور عقائد اسلامیہ کو قلم و قرطاس کے ذریعہ محفوظ کر کے اپنی ذمہ داری خوش اسلوبی سے نبھائی اور اس کی بڑی طویل اور دلچسپ تاریخ ہے، مگر فی الحال چند ایسی جلیل القدر ہستیوں کی تالیفی سرگزشت کا ایمان افروز تذکرہ پیش ہے، جنہوں نے قید و بند کی صعوبتوں میں بھی تصنیف و تالیف سے قابل رشک انداز میں اپنا رشتہ اور تعلق برقرار رکھا۔

شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ:...... امام سرخسی رحمہ اللہ کا مختصر تعارف اور کنویں میں مبسوط کی تالیف کی سرگزشت حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے اپنے بہار آفرین قلم سے یوں درج فرمائی ہے:

''شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ علیہ (متوفی ۴۸۳ھ) کا پورا نام محمد بن احمد ابوبکر سرخسی ہے، وہ پانچویں صدی کے ان علماء میں سے ہیں، جنہیں ''آیۃ من آیات اللہ'' کہنا چاہئے۔

اصل میں تو وہ خراسان کی ایک بستی ''سرخس'' کی طرف منسوب ہیں، لیکن شاید حصول علم کے لئے فرغانہ کے اس

علاقے میں آئے ہوں گے، انہوں نے حاکم وقت کی مرضی کے خلاف کوئی فتویٰ دیا، یا کوئی بات بطور نصیحت کہی، جس کی پاداش میں حاکم وقت ''خاقان'' نے انہیں ایک کنویں نما گڑھے میں قید کردیا، وہ بات کیا تھی، جس پر حاکم وقت نے انہیں سخت سزا دی؟ اس کی تفصیل کسی مستند ذریعے سے معلوم نہیں ہوسکی، ڈاکٹر صلاح الدین منجد نے ''شرح السیر الکبیر'' کے مقدمے میں ایک وجہ بیان کی ہے کہ خاقان نے اپنی ایک کنیز کو آزاد کرکے عدت سے پہلے ہی اس سے نکاح کرلیا تھا، امام سرخسی رحمہ اللہ علیہ نے اس پر اعتراض کیا تھا مگر اس کا کوئی حوالہ انہوں نے نہیں دیا اور اس سے ملتا جلتا ایک واقعہ ان کی رہائی کے بعد کا مستند تذکروں میں ملتا ہے، ہوسکتا ہے کہ کسی کو اس سے اشتباہ ہوگیا ہو، وجہ کوئی بھی ہو، حاکم وقت نے انہیں کسی حق کے کلمے کی پاداش میں اس سخت آزمائش میں مبتلا کردیا تھا کہ وہ سالہا سال کے لئے ایک کنویں نما گڑھے میں قید کردیئے گئے، جہاں ان کے لئے چلنا پھرنا بھی ممکن نہیں تھا، امام سرخسیؒ نے مبسوط کی ''کتاب السیر'' کے آخر میں یہ بات لکھی ہے کہ انہیں ایک حق کے کلمے کی وجہ سے قید کیا گیا تھا، لیکن اس کی تفصیل بیان نہیں فرمائی۔

کنویں میں مبسوط کی تالیف:...... ظاہر ہے کہ ان کے شاگردوں کو اس واقعے سے کتنا دکھ ہوا ہوگا، انہوں نے اپنے استاذ کی دل بستگی کے لئے درخواست کی کہ ہم روزانہ اس کنویں کے منہ پر آجایا کریں گے، آپ ہمیں کچھ املا کرادیا کریں، علامہ سرخسی رحمہ اللہ علیہ پہلے سے چاہتے تھے کہ امام حاکم شہید رحمہ اللہ علیہ کی ''کتاب الکافی'' کی شرح لکھیں، چنانچہ انہوں نے اسی کنویں سے اپنی عظیم کتاب ''المبسوط'' املا کرانی شروع کی اور علم کی تاریخ کا ایک منفرد شاہکار اوزجند کے ایک کنویں نما قید خانے میں اس طرح وجود میں آیا کہ تیس ضخیم جلدوں کی یہ کتاب کنویں سے بول بول کر کنویں کے منہ پر بیٹھے ہوئے شاگردوں کو لکھوائی گئی، کتاب کے مقدمہ میں خود شمس الائمہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

> ''میں نے یہ مناسب سمجھا کہ مختصر (حاکم) کی ایک شرح لکھوں، جس میں ہر مسئلے کے بارے میں راجح بات پر کوئی اضافہ نہ کروں اور ہر باب میں صرف وہ حکم بیان کروں جو قابل اعتماد ہو، اس پر مزید اضافہ یہ ہوا کہ میرے ساتھیوں میں سے کچھ خاص لوگوں نے میری قید کے زمانے میں مجھ سے اس کی فرمائش بھی کی اور میری انسیت کی خاطر میری یہ مدد کی کہ میں انہیں یہ شرح املا کرادیا کروں، چنانچہ میں نے ان کی اس فرمائش کو قبول کیا''۔

چنانچہ جن شاگردوں نے یہ شرح لکھنی شروع کی، ان کا یہ جملہ کتاب کے بالکل شروع میں موجود ہے کہ امام اجل شمس الائمہ ابوبکر سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اوزجند میں قید ہونے کی حالت میں فرمایا۔

پھر امام سرخسی رحمہ اللہ علیہ کے تقریباً تمام تذکرہ نگاروں سے لکھا ہے کہ وہ کنویں سے جو املا کراتے تھے، وہ

خالص اپنی یادداشت کی بنیاد پر املا کراتے تھے، کسی کتاب کی مدد انہیں حاصل نہیں تھی اور کنویں میں قید ہونے کی حالت میں دوسری کتابوں سے باقاعدہ استفادہ بظاہر ممکن بھی نہیں تھا، جن حضرات نے مبسوط سے استفادہ کیا ہے، وہ اس کرامت کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں کہ اتنی تحقیقی کتاب جو بعد والوں کے لئے فقہ حنفی کا مستند ماخذ بن گئی، کس طرح تمام تر حافظے سے لکھوائی گئی ہے، یہ حقیقت ذہن نشین ہو تو اس روایت کی صحت کا اندازہ ہو سکتا ہے، جو متعدد تذکرہ نگاروں نے نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ وہ اپنے درس کے حلقے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے کہا، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کو تین سو کرّاسے (یعنی کاپیاں) حفظ یاد تھیں، اس پر امام سرخسی رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا: ''حفظ الشافعي زكوٰة محفوظي ''یعنی مجھے جتنا یاد ہے، امام شافعی کو اس کی زکوٰۃ یاد تھی (الجواهر المضية: ۳/ ۸۰) جس کا مطلب یہ ہوا کہ علامہ سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ کو امام شافعی رحمہ اللہ علیہ سے تقریباً چالیس گنا زیادہ باتیں یاد تھیں اور انہوں نے جس حالت میں جس طرح مبسوط لکھوائی ہے، اس کے پیش نظر یہ بات کچھ زیادہ بعید معلوم نہیں ہوتی، ایک کنویں یا گڑھے میں بند ہونے کی حالت میں اس عظیم شخصیت پر کیا گزرتی ہوگی؟ اس کا اندازہ بھی ہمارے لئے مشکل ہے، خود انہوں نے مبسوط کی تالیف کے دوران مختلف ابواب کے آخر میں اپنی حالت کا بڑے پر درد الفاظ میں ذکر فرمایا ہے، چنانچہ عبادات کے مسائل چار جلدوں میں لکھوانے کے بعد کتاب المناسک (حج) کے آخر میں فرماتے ہیں:

''یہ واضح ترین مضامین اور مختصر ترین عبارات میں عبادات کی شرح کا آخری حصہ ہے، جسے ایک ایسے شخص نے املا کرایا ہے جو اس طرح قید میں ہے کہ نہ جمعہ میں حاضری دے سکتا ہے، نہ جماعت سے نماز پڑھ سکتا ہے۔''

اس عبارت میں اس دلی حسرت کا انتہائی موثر اظہار ہے کہ چار ضخیم جلدوں میں نماز اور دوسری عبادتوں کے احکام ایسی حالت میں لکھوائے گئے ہیں، جب خود مؤلف جماعت سے نماز پڑھنا تو کجا، جمعہ میں حاضر ہونے سے بھی محروم ہیں۔

اکثر تذکرہ نگاروں کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پوری مبسوط قید ہی کی حالت میں لکھی ہے، البتہ چونکہ پرانے تذکرہ نگاروں نے پندرہ جلدوں کا ذکر کیا ہے اور موجودہ مطبوعہ نسخہ تیس جلدوں میں چھپا ہے، اس لئے بعض حضرات یہ سمجھے کہ انہوں نے آدھی کتاب قید میں اور باقی آدھی رہائی کے بعد لکھی ہے، لیکن تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کو تیس جلدوں میں تو بعد میں تقسیم کیا گیا، ابتدا میں جو مسودہ تیار ہوا تھا، وہ پندرہ جلدوں ہی میں تھا اور پوری کتاب قید ہی میں لکھوائی گئی ہے، جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ تیسویں جلد میں کتاب الرضاع کے شروع میں یہ عبارت ہے:

’’قال الشيخ الإمام الأجل الزاهد شمس الأئمة فخر الإسلام أبوبكر محمد بن أبي سهل السرخسي املاء يوم الخميس الثاني عشرمن جمادى الآخرة سنة سبع وسبعين وأربعماة‘‘

جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کتاب الرضاع کا آغاز ۱۲ جمادی الثانیۃ ۴۷۷ھ میں ہوا تھا، دوسری طرف ’’اصول السرخسی‘‘ کے مقدمے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام سرخسی شوال ۴۷۹ھ تک قید میں تھے اور اسی وقت انہوں نے اصول السرخسی کی تالیف شروع فرمائی تھی۔ مبسوط کی کتاب الرضاع سے کتاب کے آخر تک کل سولہ صفحات ہیں اور جمادی الثانیہ ۴۷۷ھ سے شوال ۴۷۹ھ تک تقریباً سوا دو سال کا فاصلہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سولہ صفحات ۴۷۷ھ میں ہی مکمل ہوگئے ہوں گے اور اس طرح پوری کتاب، جس کے کل مطبوعہ صفحات کی تعداد چھ ہزار تین سو تینتیس (۶۳۳۳) ہے، اسی قید کی حالت میں لکھوائی گئی ہے، جس میں دوسری کتابوں سے باقاعدہ مراجعت کا امکان نہیں تھا۔ (کہیں انتہائی ضرورت کے وقت جزوی طور پر کسی کتاب سے رجوع کیا گیا ہو تو اور بات ہے) اور موضوع بھی کوئی عام واقعات کا سیدھا سادہ موضوع نہیں تھا، جس میں غور وخوض اور کتابیں دیکھنے کی ضرورت نہ ہو، بلکہ یہ فقہ کے انتہائی دقیق اور مشکل مباحث پر مشتمل کتاب ہے اور اس کے بعد سے علماء وفقہاء اس کتاب کو صدیوں سے پڑھتے رہے ہیں، لیکن کسی نے یہ نہیں کہا کہ اس قید کی حالت میں حافظے کی بنیاد پر کتاب لکھوانے کی وجہ سے فلاں جگہ غلطی ہوگئی ہے، اس کے بجائے اس کتاب کو فقہ حنفی کے مستند مآخذ میں شمار کیا جاتا ہے، یہ ایسی بات ہے، جس کی کوئی مثال کسی اور قانون کی کتاب یا مصنف کی زندگی میں نہیں ملتی۔

شرح السیر الکبیر کی تالیف:...... صرف یہی نہیں، امام سرخسی رحمہ اللہ علیہ کی دوسری مشہور کتاب شرح السیر الکبیر ہے، جو جنگ اور بین الاقوامی تعلقات سے متعلق اسلامی قوانین پر مستند مآخذ کی حیثیت رکھتی ہے، یہ پانچ جلدوں میں چھپی ہوئی موجود ہے اور شاید اس وقت تک اس موضوع پر اتنی مفصل کتاب کوئی اور نہیں تھی۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ کتاب بھی انہوں نے قید ہی کی حالت میں لکھوائی ہے، کتاب کے موجودہ نسخوں میں اس کتاب کے اندر کوئی عبارت مجھے ایسی نہیں ملی، جس سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ کتاب بھی قید میں لکھی گئی ہے، لیکن حاجی خلیفہ رحمہ اللہ علیہ نے اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے آخر میں امام سرخسی رحمہ اللہ علیہ نے یہ جملہ لکھا ہے:

’’اس کتاب کو لکھوانے کا سلسلہ اس محتاج بندے کی طرف سے مکمل ہوا، جو کسی ذلیل زندیق کے کہنے پر خطرناک بادشاہ کی طرف سے جلاوطنی اور قید میں مبتلا تھا اور اس کتاب کا آغاز اوزجند میں آزمائش کے

آخری دنوں میں ہوا تھا اور تکمیل جمادی الاولیٰ ۴۸۰ھ میں مرغینان میں اس وقت ہوئی، جب اندھیرا چھٹ چکا تھا"۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حاجی خلیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس موجود نسخے میں یہ جملہ موجود تھا، جو بعد کے نسخوں میں حذف ہو گیا، لیکن اپنے اسلوب کے لحاظ سے یہ جملہ ان جملوں سے واضح مطابقت رکھتا ہے، جو مبسوط کے کئی ابواب میں مذکور ہیں۔

اصول السرخسی کی تالیف:......پھر امام سرخسی رحمہ اللہ علیہ کی ایک اور کتاب، اصول فقہ کے موضوع پر ہے جو "المحرر في أصول الفقه" یا "أصول السرخسي" کے نام سے مشہور ہے، تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ اس کتاب کی تالیف بھی اسی قید میں ہوئی ہے اور اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ اس کتاب کے شروع میں یہ عبارت آج بھی موجود ہے:

"قال الإمام الأجل الزاهد شمس الأئمة أبوبكر محمد بن أبي سهل السرخسي أملاء في يوم السبت شوال سنة تسع وسبعين وأربعماة في زاوية من حصار أوزجند" (اصول السرخسی ص:۴)

اس عبارت سے واضح ہے کہ یہ کتاب بھی امام سرخسی رحمہ اللہ علیہ نے اوزجند کے قید خانے میں شوال ۴۷۹ھ میں لکھوانی شروع کی تھی۔(البلاغ: ص ۲۱ تا ۲۸ محرم ۱۴۳۱ھ جنوری ۲۰۱۰ء تاجکستان کا سفر)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ:......آٹھویں صدی ہجری کے نامور مفسر، محدث اور فقیہ شیخ الاسلام احمد تقی الدین بن شہاب الدین عبدالحلیم ابن تیمیہ، دوشنبہ ۱۰ ربیع الاول ۶۶۱ھ میں پیدا ہوئے، دیگر علمی کمالات وخصائص کے ساتھ ساتھ آپ کا ذوق تصنیف وتالیف قابل ذکر ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ چار مرتبہ قید ہوئے، پہلی دفعہ مصر کے قاضی ابن مخلوف مالکی کے فیصلے کے نتیجے میں ۲۲ رمضان ۷۰۵ھ کو آپ قید ہوئے اور ۲۳ ربیع الاول ۷۰۷ھ کو رہا ہوئے، دوسری دفعہ ۱۸ شوال ۷۰۸ھ کو "وحدت الوجود" کے مسئلے پر نظر بند کیا گیا اور ۲ شوال ۷۰۹ھ کو رہائی ملی، تیسری بار مسئلہ طلاق ثلاثہ کے سلسلے میں ۲۲ رجب ۷۲۰ھ کو آپ قلعہ میں محبوس کیے گئے، لیکن پانچ مہینے اٹھارہ دن کے بعد ۱۰ محرم ۷۲۱ھ کو براہ راست مصر سے ان کی رہائی کے احکام آئے اور وہ آزاد کردیئے گئے، آخری اسیری "شدالرحال" کی بحث میں منفرد رائے رکھنے کی وجہ سے ۷۲۶ھ میں پیش آئی اور اسی قید میں وفات پائی۔

اس آخری قید کے دوران آپ کے علمی مشاغل اور ذوق تالیف کے احوال مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کے گوہر بار قلم سے ملاحظہ ہوں:

قلعہ میں شیخ کے مشاغل:......عرصہ دراز کے بعد شیخ کو سکون کے لمحات اور یکسوئی کی دولت حاصل ہوئی، غالباً

اسی پر انہوں نے فرمایا تھا: "فيه خير كثير ومصلحة كبيرة" انہوں نے اس خلوت وانقطاع کی پوری قدر کی اور پورے انہماک اور ذوق وشوق کے ساتھ عبادت وتلاوت میں مشغول ہو گئے، اس سے جو کچھ وقت بچتا تھا، وہ مطالعہ وتصنیف اور اپنی کتابوں کی تنقیح وتصحیح میں صرف کرتے تھے، جو خود ایک مستقل عبادت تھی، اس فرصت میں ان کا سب سے بڑا مشغلہ اور ورد تلاوت قرآن تھا۔ وہ اس قید خانہ میں دو سال رہے، اس مختصر مدت میں انہوں نے اپنے بھائی شیخ زین الدین ابن تیمیہ کے ساتھ قرآن کریم کے اسّی (۸۰) دور کئے۔

جیل میں انہوں نے جو کچھ لکھا، اس کا زیادہ تر حصہ تفسیر سے متعلق تھا، اس کا سبب بھی غالباً تلاوت کی کثرت اور قرآن مجید میں غور وتدبر تھا، بعض مسائل پر بھی انہوں نے رسائل اور جوابات لکھے، باہر سے جو اہم اور خاص علمی سوالات اور فقہی استفسارات آتے، ان کے جوابات دیتے، اس طرح سوائے عمومی درس ووعظ کے ان کے سب کام جاری تھے اور کثرت تلاوت اور عبادات کا اضافہ تھا۔

نئی پابندیاں اور سامان مطالعہ وتحریر سے محرومی:...... شیخ جیل خانہ میں جو کچھ لکھتے تھے، لوگ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیتے اور وہ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جاتا، دوسرے رسائل ومسائل کے علاوہ، جو انہوں نے جیل میں تحریر کئے، ان کا ایک مستقل رسالہ "مسئلہ زیارت" میں تھا، جس میں انہوں نے مصر کے ایک مالکی المذہب قاضی عبداللہ بن الاخنائی کی تردید کی تھی، اس میں انہوں نے ثابت کیا تھا کہ قاضی موصوف بہت قلیل العلم اور ناواقف آدمی ہیں۔ قاضی صاحب نے سلطان سے اس کی شکایت کی اور اپنے غم وغصہ کا اظہار کیا، سلطان نے فرمان جاری کیا کہ شیخ کے پاس جتنی کتابیں، کاغذ، قلم دوات ہے، لے لیا جائے اور ان کے پاس کوئی ایسا سامان نہ رہے، جس کی مدد سے وہ تصنیف وتالیف کر سکیں۔

۹ رجمادی الاخری ۷۲۸ھ کو اس فرمان کی تعمیل کی گئی اور پڑھنے لکھنے کا سارا سامان بحق حکومت ضبط کر لیا گیا، یکم رجب کو ان کے سب مسودات اور اوراق جیل سے اٹھا کر عادلیہ کے بڑے کتب خانے میں داخل کر دیئے گئے، یہ کتابوں کی ساٹھ جلدیں اور کاغذ کے چودہ شیرازے تھے، جن میں وہ لکھتے پڑھتے تھے۔

کوئلہ سے تحریر وتصنیف:...... شیخ نے اس پر بھی کسی جزع فزع کا اظہار نہیں کیا اور نہ حکومت سے کوئی شکایت کی، ان سے جب قلم ودوات لے لئے گئے تو انہوں نے منتشر اوراق پر کوئلے سے لکھنا شروع کیا، ان کے متعدد رسائل اور تحریریں کوئلہ سے لکھی ہوئی ملیں اور عرصہ تک اسی حالت میں محفوظ رہیں، اس مجبوری اور بے سروسامانی کی حالت میں وہ شاکر اور راضی برضا معلوم ہوتے ہیں، ان کو اس کا بھی احساس ہے کہ ان کو میدان جہاد کی فضیلت حاصل ہے اور صورت حال میں کوئی تغیر نہیں ہوا، ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"ہم بحمد اللہ بہت بڑے جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول ہیں، ہمارا یہاں کا جہاد واقعہ قازان، جہاد کوہستان،

جہمیوں اور اتحادیوں (وحدۃ الوجود کے قائلین) وغیرہ کے مقابلہ میں ہمارے گزشتہ جہاد سے کم نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر اور لوگوں پر بہت بڑا احسان ہے، لیکن اکثر اس کی حقیقت سے واقف نہیں۔"

(تاریخ دعوت وعزیمت: ج۲/ص ۱۱۹-۱۲۱)

مفتی عنایت احمد صاحب رحمہ اللہ علیہ:......قید میں تصنیفی کارنامے انجام دینے والوں میں ایک عظیم علمی شخصیت علم الصیغہ کے مصنف مفتی عنایت احمد صاحب بن بخش غلام محمد بن لطف اللہ ہیں، آپ ۱۲۲۸ھ کو قصبہ دیوہ ضلع بارہ بنکی ہندوستان میں پیدا ہوئے، آپ کے مختصر حالات اور جیل میں تصنیفی خدمات کے تعارف کے سلسلے میں حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

"فراغت کے بعد آپ نے علی گڑھ کے مدرسہ جامع مسجد میں تدریسی خدمات شروع کیں، ایک سال بعد مفتی کے عہدہ پر فائز ہوئے، جس کے فرائض تدریس کے ساتھ ہی انجام دیتے رہے، پھر عہدۂ قضاء پر فائز ہوئے، دو سال بعد آپ کو بریلی میں "صدر الامین" کے منصب پر فائز کیا گیا، چار سال بعد "صدر الصدور" کے منصب پر جلیل پر متمکن ہوئے، اور آپ کا تبادلہ اکبر آباد (آگرہ) کر دیا گیا۔

ابھی روانگی عمل میں نہیں آئی تھی کہ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کا مشہور جہاد شروع ہو گیا اور آپ آگرہ نہ جاسکے، موصوف نے مسلمان مجاہدین کی مالی امداد کا فتویٰ دیا۔ مگر مسلمانوں کو شکست ہوئی اور انگریز کی ظالم حکومت نے موصوف کو جلاوطن کر کے جزیرۂ انڈمین (کالا پانی) بھیج دیا۔

مفتی صاحب موصوف نے جزیرۂ انڈمین میں بھی تدریس اور تالیف وتصنیف کا کام جاری رکھا، وہاں کسی علم کی کوئی کتاب ان کے پاس نہ تھی، محض اپنے غیر معمولی حافظہ سے مختلف علوم وفنون میں کئی کتابیں تصنیف کیں، جن کی صحت وافادیت کا مشاہدہ واعتراف علماء نے کیا، "علم الصیغہ" بھی اسی جزیرہ میں تصنیف کی گئی، (اس کے علاوہ وظیفہ کریمہ، گلستان کے طرز پر ادب کی کتاب خستۂ بہار، احادیث الحبیب المتمر کہ، تواریخ حبیب الہ سیرت کی کتاب وغیرہ بھی اسی جزیرہ میں تالیف فرمائی)

جزیرہ کے انگریز حاکم نے ان سے فرمائش کی کہ کتاب "تقویم البلدان" کا عربی سے اردو میں ترجمہ کر دیں، تاکہ اردو سے انگریزی میں وہ خود ترجمہ کر سکے، یہ ترجمہ دو برس میں مکمل ہوا اور یہی رہائی کا سبب بنا۔

رہائی کے دو سال بعد ۱۲۷۹ھ میں حج کے لئے بذریعہ بحری جہاز روانہ ہوئے، مفتی صاحب امیر قافلہ تھے، جدہ کے قریب پہاڑ سے ٹکرا کر جہاز ڈوب گیا، مفتی صاحب اور تمام رفقاء اسی میں غریق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (علم الصیغہ اردو: ص ۱۹، بحوالہ نزہۃ الخواطر: ص ۲۴۱، ۲۴۲)

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ علیہ:......شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی جیل میں تصنیف وتالیف کی

سعادت نصیب ہوئی، جس کا مختصر احال شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ علیہ نے یوں تحریر فرمایا:

''حضرت شیخ الہندؒ نے پہلا حج ۱۳۳۳ھ میں کیا، پھر طائف تشریف لے گئے، دوسرا حج طائف سے واپسی پر ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ میں کیا، پھر آپ کو فکر ہوئی کہ جلد از جلد یہاں سے روانہ ہو کر یاغستان پہنچنے کی کوئی تدبیر ہونی چاہیے۔(بیس بڑے مسلمان: ص ۲۷۰)

تدبیر کے راستے میں تقدیر حائل ہوگئی، جس کی تفصیل یہ ہے کہ محرم ۱۳۳۵ھ کی اخیر تاریخوں میں شیخ الاسلام مکہ معظمہ عبداللہ سراج کی طرف سے ایک فتویٰ پر (جو ترکوں کی تکفیر اور شریف حسین کی بغاوت کو مستحسن قرار دینے پر مشتمل تھا) دستخط کرنے کا مطالبہ کیا گیا، شیخ الہند کے انکار پر ہم سب گرفتار کر کے جدہ بھیجے گئے، ۲۴ صفر ۱۳۳۵ھ کو بوقت صبح زیر حراست جدہ پہنچے اور تقریباً ایک مہینہ زیر حراست رکھے گئے۔ (ایضاً: ص ۲۷۱)...... پھر ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ کو خدیوی جہاز سے اسی طرح زیر حراست سویز بھیجے گئے، وہاں سے گوروں کی حراست میں، جو کہ پندرہ یا سولہ تھے اور بندوق اور سنگینوں سے مسلح تھے، ہم کو قاہرہ ریل میں بھیجا گیا اور اسی دن عصر کے بعد ہم کو جیزہ کی سیاسی جیل (معتقل) میں داخل کر دیا گیا۔ (بیس بڑے مسلمان: ص ۲۷۲)......اور ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ بمطابق ۱۶ فروری ۱۹۱۷ء میں ہم کو مالٹا روانہ کر دیا گیا......اور ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ میں مالٹا پہنچ گئے۔ ۲ جمادی الثانیہ ۱۳۳۸ھ کو تقریباً تین برس ۲ مہینہ مالٹا میں رہ کر ہم مالٹا سے روانہ ہوئے۔ (ایضاً: ص ۲۷۳)...... ۲۵ جمادی الثانیہ ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۵ مارچ ۱۹۲۰ء آگبوٹ اسکندریہ پہنچا اور ۲۶ جمادی الثانیہ سیدی بشر مین جو کہ قرار گاہ اسراء مصر میں تھا، داخل کر دیئے گئے، تقریباً اٹھارہ روز وہاں قیام کرنے کے بعد ۱۳ رجب ۱۳۳۸ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۲۰ء کو وہاں سے سوپس کو روانہ کر دیئے گئے...... یہاں پونے دو مہینہ کیمپ میں رہنا پڑا۔ ۵ رمضان ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۲ مئی ۱۹۲۰ء کے دن آگبوٹ پر پہنچایا گیا۔ ۱۲ رمضان ۱۳۳۸ھ جہاز عدن پہنچا...... مختصر یہ کہ ۲۰ رمضان ۱۳۳۸ھ مطابق ۸ جون ۱۹۲۰ء کو تین برس سات مہینے کے بعد بمبئی پہنچا کر ہم کو رہا کر دیا گیا۔'' (ایضاً: ص ۲۷۴)

شیخ الہند کی گرانقدر تصانیف میں قرآن مجید کا ترجمہ سر فہرست ہے، بقول سید حسین احمد مدنیؒ:

''یہ ترجمہ قرآن پاک مالٹا جیل میں سرانجام پایا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے شاید حضرت کو مالٹا جیل میں محبوس ہی اس لئے فرمایا تھا کہ وہ ترجمۂ قرآن کی تکمیل کر سکیں، سورۂ مائدہ تک حواشی تحریر فرمائے تھے کہ رہائی مل گئی۔'' اور بقیہ فوائد و حواشی علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے پورے کئے۔ (ایضاً: ص ۲۹۸)

☆......☆......☆